منقبت حسینؑ

ماتمِ شبیر سے بخشائشِ عصیاں ہوئی — یادِ اہلِ بیت ہی سرمایۂ ایماں ہوئی
وہ حسینؑ ابنِ علیؑ وہ تاجدارِ اولیاء — اسکی نسبت ہی میری توقیر کا ساماں ہوئی
کیا کروں اس کے مناقب اور مراتب کا بیاں — زندگی جس کی سراپا آیتِ قرآں ہوئی
جس کے ہر کردار میں پنہاں اساسِ دین تھی — یہ حقیقت بھی اسی کے قتل سے عریاں ہوئی
آہ کیونکر غم نہ ہو اس کے مصائب کا ہمیں — مرگِ خوں آشام جسکی سرخیٔ عنواں ہوئی
آیتِ تطہیر کی وہ ذات جو تفسیر تھی — با حدیثِ مصطفےٰ دو جسم اور اک جاں ہوئی
کھیل جاتا تھا جو اکثر خنجر و تلوار سے — پھلجھڑی اس کے لئے اک صورتِ پیکاں ہوئی
رن میں اترا اس طرح وہ دستِ حق مردِ خدا — ذوالفقارِ حیدری شمشیر تھی براں ہوئی
آرزوئے خاکبوسی کربلا کی راہ میں — سینۂ صحوی میں ایک عرصہ ہوا پنہاں ہوئی

(از حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب علیہ الرحمہ)

دو شعر

نظامِ وحدتِ ملت فنا بہ کثرت ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ کی پھر اب ضرورت ہے

وہ شاہِ صبر و رضا وہ مجاہدِ اسلام
ہزار اس پہ درود و ہزار اس پہ سلام

خون بہارے

مرتبہ

مولانا صحوی شاہ

بار اول سنہ ۱۹۵۸ء
بار دوم سنہ ۱۹۸۹ء
۱۰ محرم سنہ ۱۴۱۹ ہجری
یکشنبہ

ناشر ادارۃ التوحید حیدرآباد آندھرا پردیش

RS: /- — قیمت :- ایک روپیہ

اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبرکات

افسوس دیکھتے نہیں حق
پس پشت ڈال دیا گیا ہے باطل پر
علانیہ عمل کیا جا رہا ہے کوئی نہیں
جو اس کا ہاتھ پکڑلے وقت آگیا ہے کہ
مومن حق کی راہ میں لقاء الٰہی کی خواہش
کرے ــــ لیکن میں شہادت ہی
کی موت چاہتا ہوں ظالموں کے ساتھ
زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے ــــ

(خطبۂ حضرت امام حسین علیہ السلام)

جسارتِ بے جا

اپنی اس بے مایہ پیش کش کو
خاکِ پاکِ کربلا سے نسبتِ انتساب
دے رہا ہوں کہ شاید حر کے گھوڑے کے
سُم کی گرد ہی میری نصیبِ چشم
ہو جائے۔
تاکہ دل کی بینائی کو اس سے
وہ روشنی حاصل ہو جس سے مقامِ حسینؑ
کو دور سے دیکھ سکنے کی تابِ نظر پیدا
ہو جائے۔

الفقیر الی اللہ
صحوی شاہ
سجادہ نشین سلسلۂ غوثیہ کمالیہ اکبریہ

دوشنبہ
۲۳ محرم ۱۳۷۸ھ م
۲۱ جولائی ۱۹۵۸ء

قارئین

کہیں "حرفِ پریشاں" کو پڑھ کر یہ خیال نہ کرلیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعلق سے کوئی خردہ گیری کی گئی ہے۔
ایسا نہیں ہے اور نہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے کیونکہ تاریخی حقائق کے اظہار کے بعد اُس سے قطع نظر کرتے ہوئے ایک اہلِ طریقت کے نزدیک جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم کی علیٰ قدرِ مراتب عظمت بہر طور ضروری ہے اور میں بھی چونکہ خلقِ مرتضوی رضی اللہ عنہ کا پرستار اور منجملہ صوفیا کا گرفتار رہوں اس لئے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اپنی آنکھوں کو گستاخ بنا کر دامنِ معاویہ رض پر کہیں کوئی دھبہ تلاش کروں۔

صوفی شاہ

حرفِ پریشاں

۱ــ حضرت معاویہ رضؓ کا دور اِس بات کا شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اپنی روشن تاریخ کو خود ہی اندھیرے غار میں ڈھکیل دیا ہے۔

۲ــ مجھے تاریخی دیانت داری سے کام لیتے ہوئے یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ اصل میں حضرت معاویہ کی حیاتِ دارانہ سہل انگاری اور تھوڑے سے بشری تقاضوں کی مجہول ہی حضرت علیؑ۔ حسنؑ اور حسینؑ کی شہادت کی ایک طرح ذمہ دار ہے۔

۳ــ سچ تو یہ ہے کہ واقعۂ کربلا بنی اُمیّہ کے آبائی حسد و انتقام کا سب سے آخری اور بدترین مظاہرہ تھا جو یزیدیت کے روپ میں ظاہر ہوا۔

۴ــ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمام نہاد مسلمانوں کے جس سوادِ اعظم نے جگر گوشۂ رسولؐ کے ساتھ جو خون آشام گستاخی کی ہے اس کا وبال اُن تمام مسلمانوں کی گردنوں پر ہے۔ اور اگر ایک سچے انسان کے سینہ میں اس کا دل مسلمان ہے تو یقین ہے کہ اس کا سر آج بھی اس بارِ ندامت سے اونچا نہیں ہو سکتا۔

۵ــ حرّیتِ خیال حرّیتِ افکار اور حرّیتِ کردار کی اگر کوئی مثال بدرجۂ اتم کہیں موجود ہے تو وہ حضرت حسینؑ ہی کی ذاتِ پاک ہے کہ اس نمونہ میں اُسوۂ رسول کی تمام تر جھلکیاں نہاں اور عیاں ہیں۔

صحومی شاہ

مختصر تاریخ

من چہ گویم کربلا را واقعات — آہ بیروں آمدہ از اسم ذات (مولانا روم)

ولادت باسعادت ۴ شعبان ۴ھ ہجری بروز سہ شنبہ بمقام مدینہ منورہ ہوئی ام الفضل بنت حارث کہتی ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلعم کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آ گرا ہے میں حیران تھی کہ اس کی کیا تعبیر ہو لیکن جب حضور نے سنا تو فرمایا تم نے بہت مبارک خواب دیکھا ہے فاطمہ کو خدا بیٹا دے گا اور تم اسے گود میں لے کر بیٹھو گی۔ ولادت کے بعد حضور صلعم نے گود میں لے کر دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمائی۔

حسین علیہ السلام اور گہوارۂ رسالت

۱۔ مسجد میں ایک دن حضورؐ سر بہ سجدہ تھے کہ حضرت حسنؑ و حسینؑ آئے اور حضور کی پشتِ مبارک پر بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے دیر تک سر نہیں اٹھایا۔ صحابہؓ نے سبب پوچھا تو فرمایا۔

"میرے بیٹے میری پیٹھ پر بیٹھے تھے مجھے گوارا نہ ہوا کہ جب تک وہ جی بھر کے نہ بیٹھ لیں میں سر اٹھاؤں"

۲۔ حضورؐ خطبہ دے رہے تھے کہ دونوں صاحبزادگان گرتے پڑتے مسجد میں آ گئے حضورؐ نے خطبہ موقوف فرمایا اور منبر سے اتر کر انہیں اپنی گود میں اٹھا لیا۔

۳۔ ایک دن حضورؐ اس حال میں تھے کہ آپ کی پشتِ مبارک پر حضرت حسین علیہ السلام تشریف فرما ہیں اور حضورؐ زانوں کے بل چل رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ اتفاق سے ادھر آ گئے اس حسین منظر کو دیکھ کر بے ساختہ کہہ اٹھے۔

"واہ کیا اچھی سواری ہے" حضورؐ نے جواباً ارشاد فرمایا"

اور سوار بھی تو خوب ہے۔"

۴۔ حضورؐ نے فرمایا "جو حسینؑ سے لڑے گا میں اس سے لڑوں گا اور جو اس سے صلح کرے گا میں اس سے صلح کروں گا۔"

۵۔۔۔ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔

عظمتِ حسینؑ اور جلالتِ فاروقؓ

ایک دفعہ کھیل میں حضرت حسین علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی صاحبزادہ کو غلام زادہ کہدیا وہ حضرت عمرؓ سے شاکی ہوئے حضرت عمرؓ نے بیٹے سے فرمایا۔

"جلدی جاؤ اور یہی بات حسینؑ سے لکھوا لاؤ تاکہ ہمارے لئے سند رہے"

کتابِ صبر و استقامت کا حرفِ آغاز

ایک دن حضرت حسینؑ چند مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ گرم شوربے سے لبریز پیالہ خادم کے ہاتھ سے چھوٹ کر آپ کے چہرۂ مبارک پر گرپڑا جس سے آبلے پڑ گئے۔ آپ نے خادم کی طرف نادیدہ نگاہ اٹھائی، خادم نے چہرہ کی رنگت بھانپ کر یہ آیت پڑھی "الکاظمین الغیظ" آپ نے جھٹ سے فرمایا۔ "میں نے اپنا غصہ فرو کرلیا"

خادم اب اور جری ہوگیا اس نے آگے کا ٹکڑا بھی پڑھ دیا "والعافین عن الناس" حضرت نے فرمایا اچھا میں نے تیرا قصور بھی معاف کردیا۔

خادم نے دیکھا کہ رحمت کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے اس نے مزید آیت کی تکمیل کردی "واللہ یحب المحسنین"

حضرت نے دیکھا کہ یہ کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا تو آپ نے فرمایا۔

"اچھا میں نے تجھے آزاد ہی نہیں کیا بلکہ تیرا سارا خرچ بھی اپنے ذمہ لے لیا ہے۔"

شہادت

تقریباً ۵۴، ۵۵ سال کا سن تھا یزید نے اپنے باپ معاویہؓ کے انتقال کے بعد ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو لکھ بھیجا کہ مدینہ والوں سے اور بالخصوص حضرت حسینؑ عبداللہ بن عمرؓ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے میری بیعت لی جائے۔ حضرت حسینؑ

نے بیعتِ یزید سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں چپ چاپ بیعت نہیں کر سکتا جب تک کہ مدینہ والوں کو اس کی اطلاع نہ دی جائے۔ اِدھر کوفہ سے خط پر خط آ رہے تھے کہ اس وقت ہم پر کوئی امام نہیں ہے آپ آئیے تاکہ آپ کے ذریعہ خدا ہم کو حق پر جمع کر دے۔"

حضرت نے ان خطوط کے جواب میں اپنے بھائی مسلم کو کوفہ روانہ فرمایا اور پھر خود بھی عازم کوفہ ہو گئے ہمدردوں اور دوراندیشوں نے آپ کو اس عزم سے باز رہنے پر بہت مجبور کیا لیکن آپ اپنا رختِ سفر کسی اور عزم سے باندھ چکے تھے۔ اُدھر راستہ میں مسلم کے شہید ہونے کی خبر بھی آ چکی اب تو اور بھی شوقِ شہادت کا غلبہ ہو چکا آپ کا قدم آگے ہی بڑھتا گیا راستہ میں حر بن یزید ابن زیاد کی طرف سے نمایندہ بنا کر روانہ کیا گیا وہ حضرت حسین کے تعقب میں لگا رہا۔ بالآخر کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں ۲/ محرم کو حضرت حسین اُتر پڑے۔ ایک ہفتہ تک حر اور عمر بن سعد حضرت حسین کو بیعت یزید پر آمادہ کرتے رہے لیکن ساری سعی ناکام ہو گئی ابن زیاد کا حکم بھی سختی سے آ پہنچا جسے شمر اپنے ساتھ لیتا آیا تھا۔

حضرت حسین علیہ السلام کا عزم بھی مستحکم ہو چکا تھا دوسرے ہی دن صبح سے باہمی مبارزت شروع ہوئی حسین علیہ السلام کے (۷۲) ساتھیوں نے جن میں عزیز رشتہ دار اور فدائی سب ہی تھے ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے یہاں تک کہ پیارا سا نوجوان بیٹا اور پھول سا معصوم صاحبزادہ بھی ہاتھوں پر جان دے گیا۔۔۔ حر جو ابھی کچھ دیر تک باغیانِ حسین سے تھا اب وہ بھی غیبی ہدایت پا کر حضرت حسین علیہ السلام کے قدموں پر لوٹ کر جاں بحق تسلیم ہوا۔ بازو برابر کا بھائی عباس بھی حسین علیہ السلام کی مسکراہٹ پر کھیل گیا اور اپنے بڑے بھائی حسن کی امانت بھتیجہ قاسم بھی اپنے چچا کی چٹان جیسی چھاتی کو پگھلا گیا یہ سب کچھ آسمان والے کی نگاہوں میں ہوتا رہا فرشتے آسمان سے اتر آئے تھے اور حوریں صفِ ماتم بچھا رہی تھیں کہ اب حسین علیہ السلام کی باری تھی۔ قدرت بھی کلیجہ مسوس رہی تھی، واقعہ اسماعیل بھی ایک افسانۂ پارینہ بن چکا تھا، کس کی آنکھ تھی جو اس خونین منظر کا تماشہ دیکھتی کس کا دل تھا جو سینہ میں دھڑک نہ جاتا خود دشمن بھی اپنے مقام سے ہل چکا تھا کہ حسین علیہ السلام بگولے کی طرح اٹھا

اور پہاڑ کی طرح مقابل میں اڑ گیا ہمت و استقامت کا ایک پیکرِ خاموش اب خاموش نہیں رہا تھا بلکہ اس کی زبان تلوار کی طرح چل رہی تھی اور نظر بجلی کی طرح کوند رہی تھی اتمام حجت کے لئے خود اس نے اپنی زبان سے سارے حقائق کھول کھول کر بیان کر دیئے اور جتا دیا کہ حسینؑ کا گوشت محمدؐ کا گوشت اور حسینؑ کا خون محمدؐ کا خون ہے۔ لیکن بدبختوں کے دل کان اور آنکھ پر خدائی مہر لگ چکی تھی۔ وہ سب کچھ سن رہے تھے لیکن سمجھ کچھ نہیں رہے تھے کہ ایک عمرؑ کے مجنون نے اپنی عاقبت خراب کر لی۔ پھر کیا تھا چاروں طرف سے ہنگامۂ یورش بپا تھا۔ ادھر حسینؑ کا ولولہ شہادت بھی تیز تر ہو چکا تھا۔ تلواروں، تیروں اور برچھیوں کی چھاؤں میں خدا سے سرگوشیاں شروع ہو گئیں نماز میں جبین ناز اپنی نیاز مندی کے حوصلے نکال رہی تھی اور ساتھ ساتھ زمینِ کربلا کو اپنی پیشانی مبارک کے بوسے بھی انعام میں سرفراز ہو رہے تھے۔ اور ادھر استقبال کو نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے جھرمٹ میں باپ، بھائی، ماں، اور نانا سب ہی آچکے تھے رسولؐ کی بکھری ہوئی زلفوں میں گرد کربلا آئی تھی اور رخسارۂ پاک پر خاک کربلا کچھا ور تھی۔ اور ایک شیشے میں کوئی سرخ سی بہتی ہوئی چیز جمع کی جا رہی تھی۔ ہاں! یہ خون شہیداں تھا جسے رسولؐ اپنے ہاتھوں سے خود ہی سمیٹ رہا تھا۔

آہ کہ عصر کے وقت تک یہ ہنگامہ ابتلا ختم ہوا شاید خدا نے اسی وقت کی قسم کھائی تھی کہ آئینۂ حق و توصیۂ صبر کا ایک مجسمۂ پاک زمین کی آغوش میں جا چھپا اور مغربی آسمان پر شفق نہیں بلکہ خون کی سرخ دھاریں نمودار ہو چکی تھیں۔ یہ تھی دس محرم ۶۱ھ ہجری کی شام کربلا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

چند تاریخی شواہد

(۱)

حضرت امام حسنؑ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان شرائط صلح۔

حسن بن علیؑ کی طرف سے معاویہؓ ابن سفیان کی طرف میں ان شرائط پر معاویہؓ کو حکومت سپرد کرتا ہوں کہ مسلمانوں پر "کتاب الہٰی" "سنت رسول اللہؐ" اور خلفائے راشدین کی پیروی کی جائے گی اس میں میری دستبرداری کا یہ مطلب نہیں کہ معاویہؓ کی طرف سے کوئی بھی جانشین بنا

دیا جائے بلکہ اس کا فیصلہ مسلمانوں پر موقوف ہوگا۔ مسلمانوں کو اختیار ہوگا کہ اللہ کی زمین سے جس کو چاہیں اپنا امام اور خلیفہ مقرر کریں خواہ وہ شام سے یا عراق سے حجاز سے ہو یا یمن سے نیز اولادِ علیؑ کے لئے یہ حق محفوظ ہوگا کہ وہ جسے چاہیں اپنی جان، اپنے مال اپنی اولاد اور اپنی مستورات کی حفاظت کے لئے امام تجویز کریں اس صلح نامہ میں عہد میثاق ہیں معاویہؓ کو ان سے تجاوز کا حق نہ ہوگا۔ وکفیٰ باللّٰہ شہیداً غرہ ربیع الاول سلسکہ ہجری۔

(۲)

حضرت معاویہؓ اور یزید میں خلافت کا استحکام

حضرت امیر معاویہؓ نے مرض الموت کے دنوں میں حسب ذیل وصیت یزید کے نام مرتب کی۔

"جانِ پدر! میں نے تمہاری راہ کے کانٹے ہٹا کر تمہارے لئے راستہ صاف کر دیا، دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں تمہارے آگے جھکا دی ہیں اور تمہارے لئے ایک بڑا خزانہ تیار کر دیا ہے۔

سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے اس میں حسینؑ ابن علیؑ۔ عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ کوئی حریف نہیں ہے عبداللہ بن عمرؓ سے کوئی خطرہ نہیں انہیں زہد و عبادت کے لئے کسی چیز سے واسطہ نہیں ہے عام مسلمانوں کی بیعت کے بعد انہیں بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ عبدالرحمٰن ابن ابی بکرؓ میں کوئی ذاتی حوصلہ و ہمت نہیں ہے جو ان کے ساتھی کریں گے وہ اس کے پیرو ہو جائیں گے البتہ حسینؑ ابن علیؑ کی جانب سے خطرہ ہے اہل عراق انہیں تمہارے مقابلہ میں لاکر چھوڑیں گے جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لینا کہ وہ قرابت دار بڑے حق دار رسول اللہ صلعم کے عزیز ہیں البتہ جو شخص لومڑی کی طرح کاوے دیکر شیر کی طرح حملہ کرے گا وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے اگر وہ صلح کر لیں تو فبہا ورنہ قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ان کے ٹکڑے اڑا دینا۔

(تاریخ اسلام حصہ دوم مطبوعہ دارالمصنفین ص ۲۸)

ماہِ ماتم

۱۸ / جولائی انیس سو اٹھاون عیسوی کے غروبِ آفتاب کے ساتھ ساتھ ۱۳۷۷ھ کا اختتام پھر ایک نئے سال کے آغاز کا غماز ہے۔

جس طرح ہر بارہ مہینوں کے بعد دھرتی کا چکر اپنے محور پر پھر سے گردش کا اعادہ کرتا ہے ٹھیک اسی طرح سنہ ہجری کا ماہِ اول اپنی ساری تاریخی اہمیت کے ساتھ ایک ایسے ماہ تمام کی یاد دلاکر صفِ ماتم بچھانے کے لئے دعوتِ اہتمام دیتا ہے جس کی ایک ذرا سی چمک دمک نے مطلعِ صداقت پر فسق و فجور، ظلم و استبداد اور عصیان و طغیان کی چھائی ہوئی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کو کافور کر دیا تھا۔

عدوان و کفران کی جس طاقت نے نظامِ اسلام میں تہزلزل و اختلال کا بھونچال لانا چاہا تھا اسے اس کی تیغ آبدار کے سیلابِ استقامت نے تنکے کی طرح بہا دیا۔ آج اسی تاریخی شخصیت کے کردار کو یہ نیا سال ہمارے آگے بے نقاب کرنا چاہتا ہے جس کے اسوۂ حسنہ کی طرف قرآن نے اشارے کئے ہیں جس کی تطہیر پر نطقِ رسالت کی شہادت موجود ہے اور جس کی کرامت و فضیلت پر عمر رضی اللہ عنہ جیسی بے باک ہستی کو اپنے بیٹے اور خود اپنے مقابل میں بکمال محبت و خلوص اعتراف کرنا پڑا ہے۔ بھلا اس کے وجود باوجود کی اہمیت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔

عجیب اور بالکل عجیب بات ہے کہ اسلامی سال کا آغاز و انجام مہرِ تسلیم خم کردن و گردن نہادن کے نظام العمل کی ترتیب دے کر ہمارے لئے بے مثال تاریخی شواہد کا حامل ہے۔ چنانچہ ابھی ہم جس مہینے سے گزر رہے ہیں اس کی تقریب بھی اسی انجام کے آغاز کی تاریخی یادگار ہے جسے ہم قرآنی لفظوں میں ——————

فَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ کی تفسیر کہہ سکتے ہیں ؎

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر　　معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر

آج اسلامی تاریخ میں اسی ذبحِ عظیم کا باب روشن ہے اس کے عنوان کو صرف حضرت حسینؑ ہی کے خون کی سُرخی مطلوب تھی اور وہی "سرخ پھریرا" آج بھی ہر جبر و استبداد اور ہر ظلم و تشدد کے خلاف ایک مستقل منارہ التہاب اور ایک پُرہیبت نعرۂ انقلاب ہے۔

یقیناً حسن ایقان محکم عزم راسخ اور استقامت فی الدین کا درس انہوں نے عملاً دیا ہے اس کی مثال آج دنیا کا کوئی انقلابی سُورما پیش نہیں کر سکتا اور ان کی حیات طیبہ نے زندگی کا جو نصب العین ہمیں بخشا ہے اس پر ضرورت ہے کہ آج ہم اپنی حسب استطاعت و حیثیت سختی سے عمل پیرا ہوں جس کے نتیجہ کے طور پر کم از کم حق گوئی و بے باکی۔

آئینِ جواں مرداں تو ہو جائے یا پھر یہی غنیمت رہے کہ اُس "مردِ حریت آموز" کی یاد میں نذرانۂ عقیدت کے طور پر چند آنسو ہی بہا لیں یا اس غرض کے لئے کہیں صفِ ماتم ہی بچھا لیں کہ حسین نے حق و صداقت کی راہ میں جان کی بازی لگا دی یہی نہیں بلکہ جہاں پتھر کا دل بھی موم ہو جائے وہاں کمالِ صبر و نہایت ضبط سے خود اپنی آنکھوں سے اپنے دل کے ٹکڑوں کو خاک و خون میں ملتے دیکھا ہے آج اس کی مظلومیت پر جتنا بھی روئیں باعثِ ثواب ہے۔ بشرطیکہ ہمارے آنسوؤں میں للٰہیت اور اقرار اطاعت کا جذبہ کارفرما ہو۔

آہ اے ماہِ محرم ہم نے تیری راہ میں اپنی خون رونے والی آنکھیں فرشِ راہ کر دی ہیں اور ہم ہر سال تیرے خرامِ ناز کو حضرت حسینؑ کے نقشِ کفِ پا کی طرف نشان دہی کے لئے اپنا بہترین رفیق سمجھتے ہیں۔

ماتمِ حسینؑ

معرکۂ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں   گرچہ ہیں تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

ہر سال جانے کتنے خونیں سیلاب آنکھوں سے رواں ہو چکے ہیں کہ آج بھی وہی ۱۳ سال پہلے کا طوفانی عزم لاکھوں کروڑوں انسانوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کے

روپ میں بہہ جانے کو تیار ہے اور یہ بے ساختگی آج بھی دنیا کی بے شمار آنکھوں میں اپنا وہی طوفانی تلاطم موجزن رکھتی ہے۔ اور آج جس واقعہ جانکاہ اور حادثہ کبریٰ کی تاریخ کا ورق ہم الٹ رہے ہیں اس کی سرخی عنوان کا ایک ایک حرف اپنے کاغذی پیرہن میں صف ماتم بچھا یا ہوا ہے۔ ماتم اس طرف ماتم۔ مگر غم والم کی یہ داستان صرف سینہ کوبی اور خون رونے کے لئے نہیں بلکہ آہوں اور آنسوؤں سے ہٹ کر اپنے سننے والے کو ایک دعوت انقلاب اور ایک نعرہ بے حجاب کا تحفہ پیش کرنا چاہتی ہے تاکہ اس کے عزم کو جوان تر اور اس کے یقین کو محکم سے محکم تر بنادے۔ لیکن یہ دعوت اگر صرف سرپیٹنے اور نالہ و شیون کے رونے کے لئے ہے تو پھر ماتم اسی کا کیجئے کہ اب ہماری تخلیق کا مقصد فوت ہو چکا ہے۔ اور ہماری یہ زندگی موت اور ابدی موت میں بدل چکی ہے اور خدا نا کردہ ہمارے دلوں، ہمارے کانوں اور ہماری آنکھوں پر مردنی کی مہر لگ چکی ہے مگر یقین ہے کہ آنسوؤں کی انتہائی روانی نے ابھی ہمارے خون کو سرد نہیں بنا لیا ہے۔ کیا عجب کہ تودۂ خاک میں چھپی ہوئی چنگاری آج بھی قیصر و کسریٰ کے محلوں میں ایک آتشیں انقلاب برپا کردے۔ اور ان کے در و بام پر ایک پرچم التہاب لہرا دے۔ وقت ہے کہ آج تم جس اتباں پر ٹوٹے ہوئے مصائب والم کو یاد کر کے ہر وقت ایک تازہ صف ماتم بچھا لیا کرتے ہو کم از کم اسی کے نام کا سہارا لے کر اپنے ارادوں کو استوار کر لو کم حوصلگی اور پست ہمتی سے بیٹھی ہوئی کمروں کو پھر ایک بار کس لو کہ آج بھی یزیدی طاقتوں کا فرعونی اقتدار کا نشہ اور نمرودی سطوت کا فریب اپنا لشکر جرار لئے ہوئے تمہارے مقابل کھڑا ہے اور تمہاری غیرت و حمیت کو للکار رہا ہے۔ کاش تمہاری اتنی جھاتی ہوتی کہ تم اس بے سروسامانی اور تہی دامنی کے ساتھ ایسے سینہ سپر ہو جاتے کہ آج کے شمر لعین، عمر سعد اور ابن زیاد کے سینے دہل جاتے لیکن میں کہوں گا کہ تمہاری تنگدستی اور تمہاری تہی دامنی اگر اسباب و علل کے سہارے سے ہے تو یقین کر لو کہ تم سے زیادہ کمزور اور تم سے زیادہ ضعیف و ناتوان پھر اس خطۂ ارض پر کوئی بھی نہیں ہے۔ اور اس لحاظ سے تمہارا حریف تم سے زیادہ قوی تم سے زیادہ طاقتور اور تم سے کہیں زیادہ چالاک ہے۔

اٹھو چلو اور بڑھو کہ وقت کا تقاضا تم کو ایک دوسرے ماحول کی طرف لئے جا رہا ہے اور تمہارے خلاف سازشوں کا چنگیزی لشکر اپنے گرد و غبار سے تمہاری

عقل و فراست کی بینائی پر خاک جھونکتا چاہتا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنی رہی سہی بینائی کو بھی برسات کی اس اندھیری رات کی نذر کر دو جس میں کسو رخ کو منہ کھول کر سانس لینے کا بھی موقعہ نہ ملے۔

دوستو! میں نے تمہیں اشارے کنائے میں بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ اب میں تمہارے قوی شانوں کو جھنجوڑتا ہوا تمہیں اپنے ساتھ دوش بدوش چلنے کی دعوت دے رہا ہوں۔ آؤ کہ ہم ایک بار عہد کر لیں ــــ کہ آج سے حسینؑ کا نعرہ انقلاب ہمارا نصب العین حیات اور ان کا نقش کفِ پا ہمارے لئے نشانِ منزل ہے۔

خون پارے

درد ائے زندگی سماز از حسینؑ　　اہلِ حق حریت آموز از حسینؑ　　(اقبال)

○ دشت نینوا میں حضرت حسینؑ کا بیدردانہ قتل دنیا کی بربریتوں میں پہلی اور آخری مثال ہے ان کی غریب الوطنی اور کس مپرسی کو کیا کہئے۔ ظالم کوفیوں نے جھوٹی دعوتیں دے کر انھیں بے یار و مددگار پھانسا۔ ہائے کتنے سنگدل تھے یہ دغاباز میزبان۔

چاروں طرف سے گھرے ہوئے دشمن کا سب سے بڑا پشت پناہ و محافظ اگر کوئی تھا تو ایک اللہ ہی تھا جس کے مقابلے میں دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں بھی ماند پڑ گئی تھیں اور پیاسا پیا اقتدار بھی لیشتہ عاجز کی مثال تھا۔

اس کے باوجود رضا بالقضا آپ کی عادت تھی اور جس مقصد کے لئے آپ نے اس دنیا میں ورود فرمایا تھا وہ محو ہو جاتا اگر آپ اس کے برخلاف عمل فرماتے لیکن یہ قطعی ناممکن تھا کیونکہ آپ اپنے مبارک ارادوں میں چٹان سے زیادہ اٹل تھے اور آپؑ کو ثباتِ قدمی اور استقامت فی الدین کا درس اس لئے دینا تھا کہ کمزور سا کمزور انسان بھی حق و صداقت کے لئے ڈٹ کر مقابلہ کرنا سیکھ جائے۔ اور ان کے ادنیٰ غلاموں میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جن سے خرقِ عادات کا شیوع ہو سکتا ہے جس سے بڑی سی بڑی طاقت بھی متزلزل ہو سکتی ہے ــ مگر یہ کمالِ دین و معراجِ بندگی نہیں بلکہ اللہ والے کی شان پیر رومی رحمہ کے عارفانہ الفاظ میں صرف ایک ہی ہے ـــ

ما بنائے استقامت آمدیم ۔ نز پئے کشف و کرامت آمدیم

اور قرآن کریم نے بھی ولی کی یہی پہچان بتائی ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ۵

غرض حضرت امام حسینؑ نے اپنی عبدیت تامہ و نہایت بندگی میں اولوالعزمی کے وہ نمایاں جوہر دکھائے جو ایک نبیؑ کے شایان شان تھے یا یوں کہئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے رویائے صادقہ کی تعبیر صرف حسینؑ اعظم ہی کی شہادتِ عظمیٰ تھی جس کا اولین زینہ حضرت اسمٰعیلؑ کا ایثارِ نفس تھا واقعہ اسمٰعیل پر غور کیجئے تو فدینٰہ بذبح عظیم کے چھوٹے سے ٹکڑے کا مفہوم کتنا وسیع تر ہو جاتا ہے کہ بقول علامہ اقبالؒ ۔ ع

نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

اور اسی آیت سے منشائے فطرت بھی ظاہر و باہر معلوم ہوتا ہے ۔ اگر تاریخ اسلام کے ورق الٹیں تو معلوم ہوگا کہ خلفائے راشدین کے مبارک دور کے بعد ایک ایسا زمانہ بھی آ رہا تھا جس میں نبی کی سی ضرورت لاحق تھی اور اس حدیث شریف کے مصداق ان العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل حضرت حسینؑ کے وجود کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ آپ نبی زادے تھے آغوشِ رسولؐ میں تربیت پائی تھی علم سفینہ کے ساتھ ساتھ علم سینہ سے بھی مالامال تھے ۔ کیوں نہیں انا مدینۃ العلم و علی بابہا جو شانِ پدر ہوئی ۔ دراصل اللہ تعالیٰ کو حضرت حسینؑ ہی کی ضرورت تھی کہ وہ ان کے علم میں اس فسق و فجور کی ظلمتوں پر آفتاب بن کر چھا سکتے تھے ۔

تعجب ہے کہ جس گھرانے سے بڑی بڑی حکومتوں کو کفر و شرک کے خلاف چیلنج بھیجے گئے اسی گھرانے کی ایک سب سے برتر اور بہتر ہستی کے خلاف ایک بندۂ زرنے دنیا کی چھوٹی پر فریب اور جلد فنا ہونے والی بادشاہت کے لئے علم بغاوت بلند کیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا حق و باطل برسر پیکار رہیں دیکھیں کون جیتے کون ہارے مگر لا غالب الا اللہ آخر حق کی روشنی میں باطل کی ظلمتیں کافور ہو کر ہی رہیں مگر یزید کی تمنائے نا سعد کو دیکھئے کہ آپ سے حضرت حسین علیہ السلام کے دستِ مبارک ہی کی خواہش تھی کہ

نہ ان سے بیعت خلافت لینا چاہتا تھا اور ان کے اس ید بیضا کو آستین استقامت سے باہر لانے کے لئے لوگوں سے رُتبے کی حکومت دینے کے وعدے کئے۔ مگر جس ہاتھ نے دین کا دامن تھاما ہو وہ بھلا کیسے کسی دوسری طرف دراز ہو سکتا تھا اور پھر ید اللہ فوق ایدیھم کی شان رکھنے والا حسینؑ یہ بازی کیسے ہار سکتا۔ خوب رسہ کشی ہوئی۔ مگر حسینؑ کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی نہ ہو سکی یہ ہاتھ ادھر ہی سے دراز نہ ہو سکے سچ ہے ؎

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ — دین ہست حسینؑ دین پناہ ہست حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

حسین علیہ السلام نے سر کی بازی لگا کر خدا کی مرضی کا میدان جیت لیا اور اس آزمائش میں پورے اترے جو بارگاہ الوہیت سے اپنے مقبول ترین بندوں کو ودیعت کی جاتی ہے۔ اس میں حق تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ میرا چاہنے والا کبھی مجھے بھول تو نہیں جاتا۔ یہ امر مسلّمہ ہے کہ جب کسی شخص پر معمولی سی آفت بھی آ جاتی ہے تو وہ ایسے میں اپنی عزیز ترین چیز کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور اگر کوئی تکلیف اسے اپنے گہرے دوست سے بھی پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا بلکہ الٹا اس پر برس پڑتا ہے یہ ہے انسانی محبت کا مآل کار برخلاف اس کے حسین علیہ السلام کا مسلکِ حیات صرف اللہ ہی اللہ تھا اور ان کا مطمح نظر محض۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ تھا وہ اس ابتلا سے کیسے گھبراتے" انہوں نے اسے ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ کہہ کر آسان بنا لیا اور وہ آزمائش بھی کتنی کڑی تھی ولنبلونکم بشیءٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات و بشر الصبرین ۵ الذین اذا اصابتھم مصیبۃ" قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مندرجہ بالا آیت کی روشنی میں حضرت امام حسینؑ کے واقعہ شہادت کا مطالعہ کیجئے تو اس میں صرف یہی معلوم ہوگا کہ گویا حضرت حسینؑ ہی کے واقعہ شہادت کو حرف بحرف بیان کیا گیا ہے کیونکہ شروع اسلام سے اب تک کوئی ایسا سانحہ عظیم وقوع پذیر نہیں ہوا جس کو حضرت حسینؑ کے معرکہ کرب و بلا پر ترجیح دی جا سکے غرض اس اللہ والے نے اپنے بلانے والے کی دعوت دیا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی

الیٰ ربّکِ راضیۃً مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی پر لبیک کہی اور اطمینان و سرور ایقان و انبساط کے ساتھ بے نیاز انہ عالمِ جاودانی کا رخ فرمایا۔

دنیا کے دستور کے مطابق اِس سانحہ کرب وبلا کی یاد ہمارے سینوں کو رونق رہے گی اور ہم اس آگ میں رہتی دنیا تک جلتے رہیں گے جو دردِ فراق کی سرزمین میں بھڑکائی گئی ہے اور ہم اُس داستانِ ظلم و ستم کو یاد کر کے خون بھی روئیں گے تو کم ہے اس لئے کہ جو مصیبتیں ان پر ٹوٹی ہیں وہ دنیا والوں کے بہائے ہوئے آنسوؤں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور ان پر ڈھائے ہوئے ستم بھلائے نہیں بھولتے یہ زخم بھرنے بھی نہیں پاتے کہ پھر ہرے ہو جاتے ہیں ۔۔۔ ویسے ہمیں ان کی موت کا غم نہیں بلکہ ان کے مصائب کا غم ہے کیونکہ وہ مرے نہیں وہ زندہ ہیں اب وہ زندۂ جاوید رہیں گے کہ شہید کے معنی حاضر اور موجود کے ہیں دیکھئے ان شہیدوں کی زندگی کے بارے میں قرآن کی کیا تاکید ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ اموات
بل احیاء عند ربھم یرزقون ۝

یہ ہے قرآن کا تہدیدی فرمان اور یہ ہے شہیدوں کی زندگی جاوداں
زندہ باد حسینؑ ـــــــــ پائندہ باد حسینؑ

اے صبا اے پیکِ دور افتادگان
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں
(اقبال)

شرح آیتِ ذِبحٍ عظیم

از:- حضرت مولانا غوثوی شاہ صاحب المتخلص بہ ساجد
خلف و جانشین حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب علیہ الرحمہ

غمِ حسینؑ میں آنسو بہائے جاتے ہیں
فدائیوں ہی سے صدمے اٹھائے جاتے ہیں

نکلتی رہتی ہے سینہ سے آہ رہ رہ کے
فراق و ہجر کے یوں داغ کھائے جاتے ہیں

قتیلِ راہ وفا وہ شہیدِ صبر و رضا
فلک کے جور و ستم سب اٹھائے جاتے ہیں

نواسے یعنی شہہ دوسراؐ کے لختِ جگر
لٹا کے خانماں پھر مسکرائے جاتے ہیں

خدا کو اور کوئی کب ہے اس قدر محبوب
ہر اک بلا میں حسینؑ آزمائے جاتے ہیں

بہا کے خون کا دریا حسینؑ شاداں ہیں
فرشتے شرم سے گردن جھکائے جاتے ہیں

یہ شرح آیتِ ذبحٍ عظیم ہے ساجد
حسینؑ کرب و بلا میں ستائے جاتے ہیں

ناشر ادارۂ النور — بیت النور - چنچل گوڑہ حیدرآباد-۲۴